

کو قابو میں رکھنے کی چند ہی صورتیں ہو سکتی ہیں :-

یہ کہ وہ نکاح کرے، مگر جس لڑکی سے اس کی نسبت ہے وہ اتنی پھوٹی ہے کہ کم از کم تین چار سال انتظار کرنا ہوگا۔

یہ کہ وہ اپنے خاندان سے باہر کہیں اور شادی کر لے۔ مگر ایسا کرنے سے تمام خاندان ناراض ہوتا ہے بلکہ بعید نہیں کہ اس کا اپنے خاندان سے رشتہ ہی کٹ جائے۔

یہ کہ وہ اس نیت سے کوئی عارضی نکاح کرے کہ اپنی خاندانی مخطوبہ سے شادی ہو جانے کے بعد پہلی بیوی کو طلاق دے دیگا، مگر اس میں اور متعہ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

یہ کہ وہ اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنے کے لیے مسلسل روزے رکھے۔ مگر وہ ایک محنت پیشہ آدمی ہے جسے تمام دن مشغول رہنا پڑتا ہے۔ اتنی محنت روزوں کے ساتھ سخت مشکل ہے۔

آخری چارہ کار یہ ہے کہ وہ زنا سے بچنے کے لیے نکاح بالید سے کام لے۔ کیا ایسے حالات میں وہ اس طریقے کو اختیار کر سکتا ہے ؟

جواب :- نکاح بالید، یعنی ہاتھ سے شہوت رفع کرنے کے بلے میں فقہاء اسلام کے تین مسلک ہیں :-

(۱) یہ کہ وہ مباح ہے اور زیادہ سے زیادہ اگر اس کے خلاف کچھ کہا جاسکتا ہے تو صرف اس قدر کہ مکابم اخلاق کے خلاف ہونے کی وجہ سے وہ ایک مکروہ اور ناپسندیدہ فعل ہے۔ اس مسلک کے حامی دلیل یہ دیتے ہیں کہ کسی نص میں اس فعل کے حرام ہونے کی تصریح نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَدْ فَضَّلْنَاكُمْ مَا حَرَّمْنَا عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ نَزَّلَ الذِّكْرَ عَلَى قُلُوبِنَا وَأَنزَلْنَاهُ فِي تَابِثٍ لِّعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ (۳۹۲-۳۹۳) علامہ آلوسی نے روح المعانی میں امام احمد ابن حنبل کی یہ رائے نقل کی ہے کہ "یہ فعل

عند الضرورت اسی طرح جائز ہے جیسے قصداً اور پچھنے: (ج ۱۸- ص ۱۰)۔ لیکن مجھے فقہ حنبلی کی کسی مستند کتاب میں یہ فتویٰ نہیں ملا۔

(۲) یہ کہ وہ حرام ہے، لیکن اگر زنا کے قتلے میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو اور آدمی اس سے بچنے کے لیے اس طریقے سے شہوت کی تسکین کرے تو امید ہے کہ اسے سزا نہ دی جائے گی۔ یہ رائے حنفیہ کی ہے چنانچہ رد المحتار میں تصریح ہے کہ یہ فعل حرام اور مستلزم سزا ہے، الا یہ کہ اگر زنا کے اندیشے سے کوئی اس کا ارتکاب کرے تو یرجی الآویال علیہ (باب الصوم۔ اور باب الحدود)۔ اسی کے قریب علامہ آلوسی نے ابن ہمام کا قول نقل کیا ہے (حوالہ مذکور)، اور اسی سے طہی حنبلی رائے علامہ ابن عابدین نے فقہ ابوالملیث سے نقل کی ہے۔ اس رائے کے قتلے میں کوئی خاص نص نہیں ہے، بلکہ یہ اسلام کے اصول عامہ سے مستنبط کی گئی ہے، مثلاً حالت اضطرار میں حرام شے کے استعمال کی اجازت، اور وہ ناجائز کاموں کے ناگزیر ہو جانے کی صورت میں کم تر درجے کے ناجائز کو اختیار کرنے کا قاعدہ۔

(۳) یہ کہ وہ قطعاً حرام ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کی یہی رائے ہے، اور وہ سورہ مومنون کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَفْوَاجِهِمْ حَافِظُونَ
إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ
فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ، فَمَنِ ابْتَغَىٰ
وَمَا أَدْرَاكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ۔

اور جو اپنی شرکاءوں کی حفاظت کرتے ہیں، بجز اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک میں ہیں ہوں، کہ ان سے پرہیز نہ کرنے میں، وہ تباہی مکت نہیں ہیں۔ پھر جو اس کے سوا کوئی اور راہ رقتلے شہوت کی تلاش کرے تو ایسے ہی لوگ یاد دہانی کرنے والے ہیں۔

اس آیت سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ منکوحہ بیوی اور ملک میں آئی ہوئی لونڈی کے سوا تسکین شہوت کی تمام صورتیں از روئے قرآن حرام ہیں، خواہ وہ زنا ہو، یا استمناء بالید، یا عمل قوم لوط، یا وطی بہائم، یا کچھ اور۔ پھر اسی کی تائید یہ احادیث بھی کرتی ہیں:-

ناکھ الید ملعون۔ اپنے ہاتھ سے نکاح کرنے والا ملعون ہے۔

عذاب اللہ تعالیٰ اُمۃ کافرا یعبثون
اللہ نے ایسے لوگوں کو عذاب دیا جو اپنے
اعضائے جنسی سے کھیلتے تھے۔
بمذاکیرہم۔

یہ دونوں حدیثیں علامہ آلوسی نے روح المعانی میں نقل کی ہیں۔ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر
میں ایک اور حدیث نقل کی ہے مگر ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، نیز اس
کی سند میں ایک راوی غیر معروف ہے۔

سبعة لا ينظر الله اليهم يوم القيامة
سات آدمی ہیں جن کی طرف اللہ قیامت کے روز
نظر نہ فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ انہیں
دوسرے لوگوں کے ساتھ جمع کرے گا اور سب پہلے
دوزخ میں داخل ہونے والوں میں شامل کر دے گا، آتایہ
وہ توبہ کریں اور جو توبہ کرے اللہ اسے معاف کر دیتا
ہے۔ (۱) اپنے ہاتھ سے نکاح کرنے والا۔ (۲) حمل توڑ دینا
کرنے والا۔ (۳) یہ فعل کرانے والا۔ (۴) عادی شراب خورد
(۵) اپنے والدین کو مارنے والا یہاں تک کہ وہ فریاد کریں
(۶) اپنے مہسایوں کو ستانے والا یہاں تک کہ وہ اس پر
لعنت کریں (۷) اپنے مہسائے کی بیوی سے بدکاری کرنے والا۔
ان مختلف سنگوں اور ران کے داخل پر لگا ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ پہلا مسکا
نہایت کمزور، بلکہ غلط ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں حرام چیزوں کی تفصیل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حرام چیزوں
کو نام بنام بیان کیا گیا ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں حرام و مکمل کے کلی اصول بیان کر دیے گئے
ہیں پس ہر وہ چیز جو قرآن کے بیان کردہ کسی کلیہ کے تحت آتی ہو اس پر ہی حکم جاری ہو گا جو کلیہ میں
ارشاد ہوتا ہو۔ آتایہ کہ اس کو مستثنیٰ قرار دینے کے لیے کوئی دلیل موجود ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ جب تو قرآن
پر عام قاعدہ بیان کر چکا ہے کہ بیویوں اور مملوکہ عورتوں کے سوا افضاء شہوت کے تو نام طریقہ عدو والا نہیں

تو اس سے نکاح بالید کے مستثنیٰ ہونے کی آخر دلیل کیا ہے؟ اس کے جواب میں بعض لوگوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ ”عرب میں اس فعل کا کوئی رواج نہ تھا، نہ کلام عرب میں اس کا کوئی ذکر ہے، لہذا فمن ابتغى وراء ذلك میں یہ داخل نہیں ہے“ لیکن یہ دلیل دو وجوہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ لغت عرب میں اس کے لیے جلد حمیرہ اور خضخضہ کے الفاظ موجود ہیں، اور زبان میں کسی لفظ کا موجود ہونا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ اہل زبان اس تصور سے آشنا تھے۔ دوسرے یہ کہ اگر عرب اس سے واقف نہ تھے تو خدا تو انسانوں کے سب افعال سے واقف تھا۔ اس کے بیان کردہ کلیات صرف انہی خبریات تک آخر کیسے محدود ہو جائیں گے جن سے اُس زمانے کے عرب واقف ہوں۔

ان دلائل کی بنا پر صحیح مسلک یہی ہے کہ یہ فعل حرام ہے۔ البتہ عقل یہ حکم لگاتی ہے کہ اس کی حرمت زنا، اور حمل توہم لوط اور وطی بہائم کی بہ نسبت کم تر ہے۔ اس لیے اگر کسی شخص کو ان گناہوں میں سے کسی ایک میں مبتلا ہو جاتے کا خطرہ ہو اور اس سے بچنے کے لیے وہ اپنے جوش طبع کی تسکین اس ذریعے سے کرے تو اس کے حق میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ”شاید اللہ تعالیٰ اسے سزا دے“۔ اب اس خاص شخص کا مسئلہ لیجیے جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے۔ اس کو پہلے تو میں اللہ تعالیٰ کی یہ نصیحت یاد دلاؤنگا کہ

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ
نِكَاحًا حَتَّى يُخْبِنَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ۔
اور چاہیے کہ وہ لوگ باعفت رہنے کی کوشش کریں جو
نکاح کا موقع نہیں پاتے یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے
ان کو غنی کر دے۔ (النور۔ ۴)

پھر میں اس سے صاف کہوں گا کہ تمہارے معاملے میں وہ حالت ہرگز موجود نہیں ہے جسے تم ایک حرام چیز کو حلال کرنے کے لیے معذرت کے طور پر پیش کر رہے ہو تم محض اپنے خاندان کے خوف سے نکاح نہیں کرتے، حالانکہ اس خاندان نے ایک۔ جوان آدمی کو ایک کم سن لڑکی کے ساتھ منسوب کر کے اپنی نادانی کا پورا ثبوت دے دیا ہے۔ اب اگر تم نکاح کے مواقع پاتے ہو مگر خاندان کی ناراضی

سے ڈر کر نہیں کرتے تو خواہ تم کوئی ساگناہ بھی کرو، خدا کے ہاں ضرور ماخوذ ہو گے، کیونکہ حقیقی مجبوری نہیں کوئی نہیں ہے۔ جتنی دھونڈھنے کے بجائے سیدھی طرح فیصلہ کرو کہ خوف کا مستحق کون زیادہ ہے؟
خدا یا خاندان؟

عذر شرعی کی تشریح

سوال :- عذر شرعی کے متعلق کوئی واضح حدود مقرر ہیں یا یہ حالات اور مواقع کے مطابق بدلتے رہتے ہیں؟ جماعتی کاموں میں حصہ لینے کے لیے کچھ فقط اس بنا پر سفر نہیں اختیار کرتے کہ انہیں اپنے روزگار سے علیحدہ ہونے کا ڈر ہے جس میں مسجد کی امامت بھی شامل ہے۔ لہذا عذر شرعی کی جامع سی تعریف سے مطلع فرمائیں۔

جواب :- عذر شرعی کی کوئی جامع اور مانع تعریف جس کے بعد کسی بحث و نزاع کی گنجائش ہی باقی نہ رہے بہت مشکل ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کے کچھ حدود ہی معین نہیں ہیں اور ہر قسم کے لچر اور جھوٹے عذرات کو عذر شرعی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ شریعت کے کتنے احکام ہیں جن کے بارے میں اللہ اور رسولؐ نے خود تصریح کے ساتھ وہ عذرات بیان کر دیے ہیں جن کی موجودگی میں آدمی یا تو ان احکام کی ذمہ داریوں سے بری ہو جاتا ہے یا کم از کم ان کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً خوف، بیماری اور سفر کی حالت میں نماز کا حکم۔ پانی نہ ملنے یا بیمار ہونے کی صورت میں وضو کا حکم۔ عدم انتظام کی حالت میں حج کا حکم۔ بیماری اور سفر وغیرہ صورتوں میں روزے کا حکم۔ ضروری سامان جہاد فراہم نہ ہو سکنے کی صورت میں جہاد کا حکم۔

ان تمام صورتوں میں شریعت نے جن چیزوں کو عذر شرعی کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے بعض حالات میں ان کے واقعی اور غیر واقعی ہونے پر بحث ہو سکتی ہے اور ایک کمزور ایمان کا آدمی بالکل غیر واقعی عذرات کو بھی شریعت کی ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے بہانہ بنا سکتا ہے، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ